انیس کے مرثیے

جلد دوم

مرتبہ

صالحہ عابد حسین

کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی

ترقی اردو بیورو ، نئی دہلی

1980

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے ۱ جلوہ کیا سحر کے رخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اُس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال و قتال کا ۲ یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہراؑ کے لال کا گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبحِ مبارک ہے جس کی شام ۳ یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہونچ جائیں تشنہ کام لکھّے خدا نماز گزاروں میں سب کے نام[الف]
سب ہیں وحیدِ عصر یہ غُل چار سو اُٹھے
دنیا سے جو شہید اُٹھے سرخرو اُٹھے

یہ سُن کے بستروں سے اُٹھے وہ خدا شناس ۴ اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد[۲] و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رخوں پہ نور ۵ خوف و ہراس رنج و کدورت دلوں سے دور
فیّاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حُسنِ صوت سے حظ بر ملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

ساونت. بُردبار فلک مرتبت دلیر ٦ عالی منش سبا میں سلیماں، وغا میں شیر
گرداں وہ ہر اُن کی زبردستیوں سے زیر فاقے سے تین دن کے، مگر زندگی سے سیر
دُنیا کو ہیچ پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے ہیں

تقریر میں وہ رمز کنایہ (ب) کہ لاجواب ٧ نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتابِ بلاغت کا ایک باب سوکھی زبانیں شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مَرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو ٨ پیدا تنوں سے پیرہن[٦] یوسفی کی بُو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خُو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا کہ مَلک ہیں بشر نہیں

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک مآب ٩ پَر تھی رخوں پہ خاکِ تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوتراب
مہتاب سے رخوں کی، صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئنوں میں جلا اور ہو گئی

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال ١٠ جن میں کئی تھے حضرتِ خیر النسا کے لال
قاسم سا گلبدن، علی اکبر سا خوش جمال اک جا عقیل و مسلم و جعفر[٩] کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور ١١ دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوانِ طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک ۱۲ شرمائے جس سے اطلسِ[13] زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قرباں صنعتِ قلمِ آفریدگار ۱۳ تھی ہر ورق پہ صنعتِ ترصیع[14] آشکار
عاجز ہے فکرِ شعرائے ہنر شعار ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محو قدرتِ ربِّ عباد پر
مینا[15] کیا تھا وادیِ مینو سواد[16] پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا ۱۴ درّاج[17] و کبک[18] و تیہو[19] و طاؤس[20] کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں[د] سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ[21] گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار ۱۵ پھولوں پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہر[ہ][22] گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم ۱۶ کوکو کا شور نالۂ حق[23] سرہ کی دھوم
سبحان[24] ربنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار ۱۷ اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ[25] یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار تہلیل[26] تھی کہیں کہیں تسبیحِ کردگار
طائر ہوا میں محو[ز] ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول ۱۸ خوشبو سے جن کی خُلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب و زینتِ کاشانۂ بتول وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اوّل میں کٹ[26] گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں کٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار ۱۹ پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلِ عذار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار جاگے وہ ساری رات کے، وہ نیند کا خُمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مُسکرا کے پھولوں کی کلیاں بکس[27] گئیں

وہ دشت اور خیمۂ زنگارگوں کی شان ۲۰ گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسمان
بے چوبہ[28] سپہر بریں جس کا سائبان بیت العتیق[29]، دین کا مدینہ[30] جہاں کی جان
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے ستارے اسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں ۲۱ کہتا تھا آسمانِ دہم چرخ[31] ہفتمیں
پردے تھے رشک پردۂ چشمانِ حورعیں تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور شمسۂ[32] کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبحِ[33] گلِ آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ[34] ابیض ہوا عیاں ۲۲ تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں صوتِ حسن سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی

چُپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر ۲۳ تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محوِ ثنا کلوخ[35] و نباتات و دشت و در پانی سے منھ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموسِ شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار ۲۴ چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار صدقے نمازیوں کے مؤذّن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
لوگو اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

یہ حسنِ صوت اور یہ قرأت یہ شدّ و مد ۲۵ حقّا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جد
گویا ہے لحن حضرتِ داؤدؑ با خرد یارب، رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں، پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے ۲۶ عین الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
وہ لو دعی کہ جس کی طلاقت دلوں کو بھائے دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسینؑ پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ ۲۷ قائم ہوئی نماز اٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں وہ مصلّی ملک صفات قدموں سے جن کے ملتی تھی آنکھیں رہِ نجات
جلوہ تھا تا بہ عرشِ معلّیٰ حسینؑ کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلّیٰ حسینؑ کا

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز ۲۸ بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھے شہِ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہِ سرفراز کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دل پسند ۲۹ کرّوبیانِ عرش تھے سب جس سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دو چند خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع اور خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے مہِ نو تھے رکوع میں

اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار ۲۰ اٹھارہ نوجواں تھے اگر کیجیے شمار
پرسب جگر فگار حق آگاہ خاکسار پیرو امام پاک کے دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہ افلاک انھیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے

دنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود ۲۱ ان کے لیے تھی بندگیِ واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

ہاتھ اُن کے جب قنوت میں اُٹھے سوئے خدا ۲۲ خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
تھرّائے آسماں ہلا عرشِ کبریا شہ پر تھے دونوں ہاتھ پئے طائرِ دعا
وہ خاکسار محوِ تضرّع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام ۲۳ آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہ خاص و عام آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے باحترام
کیا دل تھے کیا سپاہِ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

سجدے میں شکر کے کوئی تھا مردِ باخدا ۲۴ پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآں، کوئی دعا
نعتِ نبیؐ کہیں تھی کہیں حمدِ کبریا مولا اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
فاقوں پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یارب، مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

زاری تھی التجا تھی مناجات تھی اُدھر ۲۵ واں صف کشی و ظلم و تعدّی و شور و شر
کہتا تھا ابنِ سعد، یہ جا جا کے نہر پر گھاٹوں سے ہوشیار، ترائی سے باخبر
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حُسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حُسینؑ کو

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہِ فلک سریر ۳۶ ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مُڑ کے سوئے لشکرِ شریر عبّاسؑ اُٹھّے تول کے شمشیرِ بے نظیر
پروانہ تھے سراج[52] امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

اکبر سے مُڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں ۳۷ تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں بچّوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچّہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغرؑ ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر ۳۸ فضہ پکاری ڈیوڑھی سے اے خلق کے امیر
ہے ہے علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر اصغر کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات[ن] یہ گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچّے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

باقرؑ کہیں پڑا ہے سکینہؑ کہیں ہے غش ۳۹ گرمی کی فصل یہ تب و تاب اور یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہ وش بچّوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچّے ترستے ہیں

اُٹھّے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار ۴۰ ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار
فرمایا مڑ کے چلتے ہیں اب بہرِ کارزار کمریں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی، دل باغ باغ ہو
اُمّت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر ۴۱ ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں ادھر
جوشن پہن کے حضرتِ عبّاسؑ نام ور دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوشِ پاک پر

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا خود سر ۴۲ کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہُما کے پر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر وہ رُعب الاماں وہ تہور کہ الحذر
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال ۴۳ چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینبؑ کی یہ دعا ہے کہ اے ربِّ ذوالجلال بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا ۴۴ بے کس پہ یہ چڑھائی ہے سید پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
یارب ترے رسولؐ کی ہم آلِ پاک ہیں

سر پہ نہ اب علیؑ نہ رسولِؐ فلک وقار ۴۵ گھر لُٹ گیا گذر گئیں خاتونِ روزگار
اماں کے بعد روئی حسنؑ کو میں سوگوار دنیا میں اب حسینؑ ہے ان سب کا یادگار
تو داد دے مری، کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اُس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب ۴۶ مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب خود جا کے میں دکھاتا ہوں اُن کو رہِ صواب
موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس ۴۷ کشتی میں لائیں زینبؑ اُسے شاہِ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس پہنی قبائے پاکِ رسولؐ فلک اساس
بر میں درست و چُست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا عمامہ رسولؐ کا

شملے کے دو ہرے جو پڑے تھے بصد وقار ۴۸ ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا، زلفِ سمن بو کا تار تار جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل پہ کیا کھلیں گے یہ گیسو کے پیچ میں

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بو ۴۹ دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دُلہن کی بو
حیدر کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بو پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لُٹتا تھا عطر وادیٔ عنبر سرشت میں
گُل جھومتے تھے باغ میں، رضواں بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن ۵۰ لیکر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلّائی ہائے آج نہیں حیدر و حسنؑ امّاں کہاں سے لائے تمھیں اب یہ بے وطن
رخصت ہے اب رسُول کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے ۵۱ پیٹا منھ اپنا زینبؑ عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے بازو پہ جوشنین پڑھے عزّ و جاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اُتنے ستارے چمک گئے

یاد آگئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار ۵۲ قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیرِ آبدار شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو، ضرب عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہرؑا کے لال نے ۵۳ پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
دستانے پہنے، سرورِ قدسی خصال نے معراج پائی دوش پہ حمزہ[58] کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ[59] نبوت کی شان تھی

۵۴ ہتھیار اِدھر لگا چکے آقائے خاص و عام — تیّار اُدھر ہُوا علمِ سیّدِ انام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام — روتی تھی تھامے چوبِ علم خواہرِ امام
تیغیں کمر میں، دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینبؑ کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

۵۵ گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گل عذار — مُرفق تک آستینوں کو الٹے بصد وقار
جعفرؑ کا رعب، دبدبۂ شیرِ کردگار — بوٹے سے ان کے قد پہ نمودار و نامدار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

۵۶ گہ ماں کو دیکھتے تھے گہ جانبِ علم — نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم — آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا
امّاں کسے ملے گا علم نانا جان کا

۵۷ کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہِ خوش خصال — ہم بھی محق ہیں آپ کو اس کا رہے خیال
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال — اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزّت طلب ہیں، نام کے اُمیدوار ہیں

۵۸ بے مثل تھے رسولؐ کے لشکر کے سب جواں — لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ، لشکرِ گراں — پایا علم علیؑ نے مگر وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے اُنھیں کے ہم ہیں اُنھیں کے نواسے ہیں

۵۹ زینب نے تب کہا تمھیں اس سے کیا ہے کام — کیا دخل مجھ کو، مالک و مختار ہیں امام
دیکھو، نہ کیجیو بے ادبانہ کوئی کلام — بگڑوں گی میں جو لوگے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبرؑ کو چھوڑ کے

سر کو، ہٹو، بڑھو، نہ کھڑے ہو علم کے پاس ۶۰ ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں، شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم مِرے حواس بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے تم جو بُرا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

عمریں قلیل[65] اور ہوس منصبِ جلیل ۶۱ اچھا انکا وقت کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل[66]
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمّت کی ہے دلیل ہاں اپنے ہم سنوں میں تمھارا نہیں عدیل[67]
لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ، کیوں بشر اُس کی ہوس کرے

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھے گا یہ علم ۶۲ چھوٹے قدوں میں سب سے، سنوں میں سبھوں سے کم
نکلیں تنوں سے سبطِ نبیؐ کے قدم پہ دم عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار ۶۳ زیبا نہیں ہے وصفِ[68] اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار دکھلا دو آج حیدرؑ و جعفرؑ کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پُکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں

کیا کچھ علم سے جعفرِؑ طیّارؑ کا تھا نام ۶۴ یہ بھی تھی اک عطائے رسُولِ فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے اُنھیں سے کام جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بے جاں ہوئے، تو نخلِ وغا نے ثمر دیے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیے

لشکر نے تین روز ہزیمت[69] اٹھائی جب ۶۵ بخشا علم رسولِؐ خدا نے علیؑ کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب در بند کر کے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب
اُکھڑا وہ یوں، گراں تھا جو دَر سنگِ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتا درخت سے

٦٦ نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال — امّاں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال — میں لُٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غم خوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہوگیا مجھے طالب ہو نام کے

٦٧ ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام — غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال، جو اب لیں علم کا نام — کُھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

٦٨ یہ کہہ کے بس ہٹے جو سعادت نشاں پسر — چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر — ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچّو یہ کیا کہا کہ جگر پر چُھری لگی

٦٩ زینبؑ کے پاس آکے یہ بولے شہِ زمن — کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سُنیں بہن
شیروں کے شیر، عاقل و جرار و صف شکن — زینبؑ وحیدِ عصر ہیں دونوں یہ گل بدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں

٧٠ نو دس برس کے سن یہ جرأت یہ ولولے — بچّے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیونکر ان کے نہ قدموں سے مُنھ مَلے — کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے
بے شک یہ ورثہ دارِ جنابِ امیرؑ ہیں
پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

٧١ اب تم جسے کہو اسے دیں فوج کا علم — کی عرض جو صلاحِ شہِ آسماں حشم
فرمایا جب سے اُٹھ گئیں زہراؑئے باکرم — اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خُرد ہو
جس کو کہو اسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولیں بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام ۲؎ ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام قرآں کے بعد ہے تو ہے(ق) بس آپ کا کلام
شوکت میں، قد میں، شان میں، ہم سر کوئی نہیں
عباسؑ نام دار سے بہتر کوئی نہیں

عاشق، غلام خادمِ دیرینہ، جاں نثار ۳؎ فرزند، بھائی، زینتِ پہلو، وفا شعار
جرّار، یادگارِ پدر، فخرِ روزگار راحت رساں، مطیع، نمودار، نام دار
صفدر ہے، شیر دل ہے، بہادر ہے، نیک ہے
بے مثل سیکڑوں میں، ہزاروں میں ایک ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن ۴؎ ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن اکبرؑ چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
کی عرض انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلیے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عباسؑ آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ ۵؎ جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینبؑ وہیں علم لیے آئیں بہ عزّ و جاہ بولے نشاں کو لے کے شہ عرشِ بارگاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار ۶؎ ہمشیر کے قدم پہ ملا منہ بہ افتخار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

کی عرض میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر ۷؎ ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوج بد گہر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر دیکھیں اٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
ساونت ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

منہ کرکے سُوئے قبرِ علیؑ پھر کیا خطاب ۷۸ ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابو تراب آقاؑ کے آگے میں ہوں شہادت سے کامیاب
سر تن سے ابنِ فاطمہؑ کے رو برو گرے
شبّیرؑ کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سُن کے آئی زوجۂ عبّاسؑ نامور ۷۹ شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفیٰؐ کی بلائیں بچشمِ تر زینبؑ کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدّق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رُتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینبؑ نے یہ کہا ۸۰ تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں تو ہوں فدا بانوے نامور کو سُہاگن رکھے خدا
بچّے جئیں ترقّیِ اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لے کے جائے ۸۱ یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
اُمّ البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے جلدی شبِ عروسیِ اکبرؑ خدا دکھائے
مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دُلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آ کے بالی سکینہ نے یہ کہا ۸۲ کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا اُن کو مبارک کرے خدا لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمّو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علیؑ کے نشان کی

عبّاسؑ مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ ۸۳ عمّو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ اب تو علم ملا تمہیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجیے نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجیے

فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام ۸۴ باتوں پہ اُس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
کی عرض آ کے ابنِ حسنؑ نے کہ یا امام انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
عبّاسؑ اب علم لیے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

ناگہ بڑھے علم لیے عبّاسِؑ باوفا ۸۵ دَوڑے سب اہلِ بیت کھلے سر برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ اک ایک سے کہا لو الوداع اے حرمِ پاکِ مصطفےٰ
صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینبِؑ زار و حزیں گری ۸۶ بانو پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثومؑ تھرتھرا کے بروئے زمیں گری باقرؑ کہیں گرا تو سکینہؑ کہیں گری
اُجڑا چمن، ہر اک گلِ تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

دیکھی جو شانِ حضرتِ عباس عرش جاہ ۸۷ آگے بڑھی عَلم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ نشتر بدل تھی بنتِ علیؑ کی فغان و آہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گُلِ آفتاب سے

مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے ۸۸ ترکش لگایا ہرؑ نے یہ کس آن بان سے
نکلا یہ جنّ و انس و مَلک کی زبان سے اُترا ہے پھر زمیں پہ بُراق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلہن کا ہے چہرہ پری کا ہے

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیے ۸۹ جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے
بالا دوی میں اس کو ہُما پر بھی فوق ہے

تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا ۹۰ جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں، علم بڑھا رایت بڑھا کہ سروِ ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہونچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی

پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر ۹۱ اُس کی ضیا تھی خاک پہ، ضو اس کی عرش پر
زر ریزیِ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

اللہ ری سپاہ خدا کی شکوہ و شاں ۹۲ جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشاں
کمریں کسے علم کے تلے ہاشمی جواں دنیا کی زیب، دین کی عزت، جہاں کی جاں
ایک ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

لڑکے وہ سات آٹھ، سہی قد سمن عذار ۹۳ گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
حیدرؑ کا رعب، نرگسی آنکھوں سے آشکار کھیلیں جو نیمچوں سے کریں شیر کا شکار
نیزوں کے سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عید گاہ میں دولھا بنے ہوئے

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام ۹۴ دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام ہم شکلِ مصطفیٰؐ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبیؐ و علیؑ کا ہے

دنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں ۹۵ ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے اب جہاں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسیں پہ ہے
محبوبِ حق ہیں عرش پہ، سایہ زمیں پہ ہے

ناگاہ تیر ادھر سے چلے جانبِ امام ۹۶ گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
نکلے ادھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی
ایک اک کی جنگ مالک اشتر کی جنگ تھی

نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہِ دیں ۹۷ نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ (خ) کی صفوں پہ چلے شیرِ خشم گیں کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل ہیں ڈوب کے

اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کارزار ۹۸ دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا، کسی نے جو روکا سپر پہ وار گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شمار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں ۹۹ آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش، کنائیاں نوحوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دہائیاں
شوکت ہُو بہُو تھی جنابِ امیرؑ کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینبؑ کے شیر کی

کس حسن سے حسنؑ کا جوانِ حسیں لڑا ۱۰۰ گھر گھر کے صورتِ اسدِ خشم گیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سو گئے ازرقِ شامی کو مار کے

چمکی جو تیغِ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ ۱۰۱ روحُ الامیںؑ پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعدِ روسیاہ کُشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
چھٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی، تیغوں کی موجوں میں تیر کے

بے سر ہوئے موکّلِ سرچشمۂ فرات ۱۰۲ ہل چل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے فوت ہوئے کتنے بدصفات گویا حباب ہو گئے تھے، نقطۂ نبات
عبّاسؑ بھر کے مشک کو یاں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہروان میں امیرِ عرب لڑے

آفت تھی حرب و ضرب علی اکبرؑ دلیر ۱۰۳ غصّے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سربلند پست، زبردست سب تھے زیر جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
سر اُن کے اُترے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
عبّاسؑ سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

تلواریں برسیں، صبح سے نصف النہار تک ۱۰۴ ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک نعرے نہ پھر وہ تھے، نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور، برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمہ فوج ہو گیا

لاشے سبھوں کے سبطِ نبیؐ خود اٹھا کے لائے ۱۰۵ قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت، خدا دکھائے فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام ۱۰۶ ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبیؐ کی قبا تمام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرّا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ ۱۰۷ اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے ہے فراغ جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبرؑ کی لاش پر

مقتل سے آئے خیمے کے در پر شۂ زمن ۱۰۸ پر شدّتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن — اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن
پھر ایک بار اِس مہِ انور کو دیکھ لیں
اکبرؑ کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑے(ط) آلِ پیمبر برہنہ سر ۱۰۹ اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
بچّے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر — مُنھ سے مَلے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیم بر
غم کی چھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر

بچّے سے ملتفت تھے شۂ آسماں سریر ۱۱۰ تھا اُس طرف کمیں[89] میں بنِ[90] کاہل شریر
مارا جو تین بھال کا، اُس بے حیا نے تیر — بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیر خوار، تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مرگیا وہ طفلِ شیر خوار ۱۱۱ چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
بچّے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار — اے[91] خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہ دار
دامن میں رکھ اُسے جو محبّت علیؑ کی ہے
دولت ہے فاطمہؑ کی امانت علیؑ کی ہے

(غ) یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حُسام ۱۱۲ آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کیے تھے بصد عزّ و احتشام — پیراہنِ[92] مطہرِ پیغمبرؐ انام
حمزہؑ کی ڈھال تیغ شۂ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

رستم تھا درع پوش، کہ پاکھر میں راہوار ۱۱۳ جرّار بردبار سبک رو وفا شعار
کیا خوشنما تھا زیں[93] طلاکار، و نقرہ کار — اِکسیر تھا، قدم کا جسے مل گیا غبار
خوش خو تھا خانہ زاد تھا دُلدل نژاد[94] تھا
شپّیز بھی سخی تھے فرس بھی جوّاد[95] تھا

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں ۱۱۴ ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لُوں کہ الحذر، وہ حرارت کہ الاماں رن کی زمیں تو سُرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لوں وہ آفتاب کی حدّت وہ تاب و تب ۱۱۵ کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپائے نہ اُٹھتے تھے تابہ شام ۱۱۶ مسکن میں مچھلیوں کے سمندر[96] کا تھا مقام
آہو[97] جو کاہلے تھے، تو چیتے سیاہ فام پتھر پگھل کے رہ گئے تھے، مثلِ مومِ خام
سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے سبزہ گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے

(الف۔۱)
کوسوں کسی شجر میں نہ گُل تھے نہ برگ و بار ۱۱۷ ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار[98]
ہنستا تھا کوئی گُل نہ مہکتا تھا سبزہ زار کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخِ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

آبِ رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور ۱۱۸ جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے ۱۱۹ آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ[99] مہر کا تھا مکدّر غبار سے گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

۱۲۰ گرداب[99] پہ تھا شعلۂ جوالہ کا گماں   انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں   تہ پر تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیٔ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

۱۲۱ آئینۂ[100] فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب   چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب   کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ[102] اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ[103] زمہریر میں

۱۲۲ اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ اُمم[104]   نے دامنِ رسولؐ تھا نے سایۂ علم
شُعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم   اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

۱۲۳ گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار   آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آبِ نہر، پرند آ کے بے شمار   سقّے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد[105] کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہؑ کے لیے قحطِ آب تھا

۱۲۴ سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر   خادم کئی تھے مروحہ[106] جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاشں مکرّر زمیں کو تر   فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی، وہ جلال آفتاب کا
سونلا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

۱۲۵ کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب   بیعت جو کیجے اب بھی، تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب   دریا کو خاک جانتا ہے[ب-1] ابنِ بوتراب
فاسق ہے، پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو یہ[ج-1] تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیلؑ[108] ۱۲۶ چاہوں تو سلسبیل[109] کو دم میں کروں سبیل[110]
کیا جام آب کا، تو مجھے دے گا او ذلیل بے آبرو، خسیس[111]، ستمگر دَنی، بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے
گر جم[112] کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے ۱۲۷ کوثر[113] یہیں رسولؐ کا احکام لے کے آئے
رُوح الامینؑ زمیں پہ مرا نام لے کے آئے لشکر مَلک کا، فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو
فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار ۱۲۸ تھرّا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار آواز کوسِ[114] حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تُل گئے
کالے نشان فوجِ سیہ رو کے کُھل گئے
وہ دھوم طبلِ جنگ کی وہ بوق کا خروش ۱۲۹ کر[115] ہو گئے تھے شور سے کرّوبیوں کے گوش
تھرّائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے
نو ابرہ[(105)] کے چند شعرِ رجز شاہ دیں بڑھے ۱۳۰ گیتی کے تھام لینے کو روح الامینؑ بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے گویا علیؑ اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مُشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو
کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خُو جدا ۱۳۱ جیسے کنارِ شوق سے ہو، خوب رُو جدا
مہتاب سے شعاع جدا، گل سے بو جدا سینے سے دم جدا، رگِ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد، ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسینؑ یوں کہ عقاب آئے جس طرح ۱۳۲ آہو[۱۱۶] پہ شیرِ شرزہ[(۱۰۵)] غاب[۱۱۷] آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح دوڑا فرس نشیب میں، آب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرمی میں تیغِ برق جو چمکی شرر اڑے ۱۳۳ جھونکا چلا ہوا کا جوشن سے تو سر اڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اڑے روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اڑے
ظاہر نشان اسمِ عزیمت[۱۱۸] اثر ہوئے
جن پر علی لکھا تھا، وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اُسے ۱۳۴ کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
واں تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس، پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی ۱۳۵ دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصرِ تن کو، زمیں پر گرا گئی سیل آئی زور شور سے جب، گھر گرا گئی
آ پہونچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے[۱۱۹] پانی سے بہ گیا

یہ آبرو یہ شعلہ فشانی خدا کی شان ۱۳۶ پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
لہرائی جب اُتر گیا دریا بڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی چڑھا ہوا

قلب[۱۲۰] و جناح میمنہ و میسرا تباہ ۱۳۷ گردن کشانِ اُمتِ خیر الورا تباہ
جنباں زمیں، صفیں تہ و بالا، پرا تباہ بے جان جسم، روحِ مسافر سرا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و بُرّش، اُس شعلہ رنگ کی ۱۳۸ چمکی سوار پر، تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی، طلب گار جنگ کی حاجت نہ سان کی تھی اُسے اور نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم[ز-۱] میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغ خزاں تھی، گلشن ہستی سے کیا اُسے ۱۳۹ گھر جس کا خود اُجڑ گیا، بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی، کفر پرستی سے کیا اُسے جو آپ سر بلند ہو، پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ بُرّش دَم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہُوا ۱۴۰ گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہُوا
چمکی تو الاماں کا، غل چار سو ہُوا جو اُس کے مُنہ پہ آگیا، بے آبرو ہُوا
رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہوگئے تھے، اُس کی آنچ سے

بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی ۱۴۱ چمکی تو اس طرف ادھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
منہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ ۱۴۲ گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب[ح-۱] نہیں منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں[ط-۱] فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوفِ تیغ شۂ کائنات کا ۱۴۳ زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا پہ حال یہ تھا ہر اک بد صفات کا چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سربسر ۱۴۴ منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر تھے تہ نشیں نہنگ، مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا، خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

آیا خدا کا قہر جدھر سَن سے آگئی ۱۴۵ کانوں میں الاماں کی صدا رَن سے آگئی
دو کر کے خود، زین پہ جوشن سے آگئی کھینچتی ہوئی زمین پہ، توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغِ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بوترابؑ کی

پس پس کے کش مکش سے کماندار مر گئے ۱۴۶ چلّے تو سب چڑھے رہے بازو اتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے مقتل میں ہو سکا نہ گزارا گذر گئے
دہشت سے ہوش اڑ گئے تھے مرغِ[(۱-۵)] وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور ۱۴۷ گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور[۱۲۱] لشکر میں خوفِ جاں نے انہیں کر دیا تھا کور
ہوش اڑ گئے تھے فوجِ ضلالت نشاں کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جاں کے

صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے ۱۴۸ اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے مجمر[۱۲۲] پہ پیک[۱۲۳]، پیک پہ مرکر عسس[۱۲۴] گرے
ٹوٹے پرے شکست بنائے ستم ہوئی
دنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

غصے تھا شیرِ شرزۂ صحرائے کربلا ۱۴۹ چھوڑے تھا گرگ، منزل و ماوائے کربلا
تیغِ علی تھی معرکہ آرائے کربلا خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
بستی بسی تھی مردوں کے قریے اُجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

تھی طرفہ کش مکش، فلک پیر کے تلے ۱۵۰ غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
چھپتی تھی سر جھکائے[ک-۱] کماں تیر کے تلے چلّے سمٹ کے جاتے تھے، زہ گیر کے تلے
اس تیغِ بے دریغ کا، جلوہ کہاں نہ تھا؟
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

رہ رہ کے ابر شام سے تھی بارشِ خدنگ ۱۵۱ چاروں طرف کمان کیانی کی وہ ترنگ[۱۲۵]
وہ یوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ وہ شور و صیحہ[۱۲۶] فرس[۱۲۷] ابلق و سرنگ[۱۲۸]
پھنکتا تھا دشت، کیں کوئی دل تھا نہ چین سے
اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسین[۴] سے

بازارِ جنگ گرم ہے، ڈھلتی ہے دوپہر ۱۵۲ سقّے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے اُدھر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر پیاسا جو ہو، وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب، حسینؑ تڑپتے تھے آب کو

اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر ۱۵۳ گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
چھپٹے کبھی ادھر کبھی حملہ کیا اُدھر آنکھوں میں ٹیس اٹھی، جو پڑی دھوپ پر نظر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

چلتی تھی ایک تیغ علیؑ لاکھ رنگ سے ۱۵۴ سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے
رکتی تھی نے سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا، عجب آب و تاب کا
خود[۱۲۹]، اس کے سامنے تھا، پھپھولا حباب کا

پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر ۱۵۵ سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر
گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکا کے سر مردم کی کش مکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا
سپر[۱۳۰][۲-۱] پہ جس نے ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

گھوڑوں کی وہ تڑپ وہ چمک تیغِ تیز کی ۱۵۶ سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہو گئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرا لیے تھے کارزار سے

گھوڑوں[ل۔۱] کی جست و خیز سے اُٹھا غبارِ زرد ۱۵۷ گردوں میں مثلِ شیشہ ساعت بھری تھی گرد
تودا بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد کوسوں سیاہ تار تھا شب وادی نبرد
پنہاں نظر سے نیرِ گیتی فروز تھا
ڈھلتی تھی دوپہر کے نہ شب تھا نہ روز تھا

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی ۱۵۸ سنولائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے وہ لب[ن۔ا] کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غُل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے، ترائی میں

پھر تو یہ غُل ہُوا کہ دہائی حسینؑ کی ۱۵۹ اللہ کا غضب تھا لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی دنیا حسینؑ کی ہے خدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا

اکبرؑ کا نام سُن کے جگر پر لگی سناں ۱۶۰ آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاشِ پسر کو شہِ زماں تم نے نہ دیکھی جنگِ پدر اے پدر کی جاں
قسمیں تمہاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابنِ سعد ۱۶۱ اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلافِ وعد اک پہلوان یہ سنتے ہی گرجا مثالِ رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابنِ سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد و کلفت[132] و تنومند و خیرہ سر　162　روئیں[133] تن و سیاہ دروں، آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے، ترکش اجل کا گھر　تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اس کے اور اسی قد و قامت کا ایک دَل　163　آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار ستم گار و پُر دُغل[134]　جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دَل
بھالے لیے کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضربِ گرز پہ، یہ تیغِ تیز پر

کھنچ جائے شکلِ حرب، وہ تدبیر چاہیے　164　دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیے
تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیے　فولاد کا قلم، دمِ تحریر چاہیے
نقشہ کھنچے گا صاف صفِ کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے، ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی　165　ساونت[135] بے حواس، ہراسان دھنی بلی[136]
ڈر تھا کہ لو حسینؑ بڑھے تیغ اب چلی　غُل تھا ادھر ہیں مرحب و عنتر، اُدھر علیؑ
کون آج سر بلند ہو اور کون پست ہو؟
کس کی ظفر ہو دیکھیے کس کی شکست ہو؟

آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں　166　بسم اللہ اے امیرِ عرب کے سرورِ جاں
اُٹھی[137] علیؑ کی تیغ دو دم چاٹ کر زباں　بیٹھے درست ہو کے فرس پہ شہِ زماں
واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منہ میں ادھر ذوالفقار کے

لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے　167　وہ بد نظر تھا آنکھوں میں آنکھیں اُدھر گڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا ابر گڑگڑائے　غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے
ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں
ماہی[138] پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پاؤں

نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند ۱۶۸ مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہُوا جب وہ بہرہ مند چلّا اُدھر کھنچا کہ چلی تیغِ سر بلند
وہ تیر کٹ گئے جو دَر آتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں، نہ پیکاں خدنگ میں

ظالم اٹھا کے گرز کو آیا جناب پر ۱۶۹ طاری ہُوا غضب خلفِ بو تراب پر
مارا جو ہاتھ، پاؤں جما کر رکاب پر بجلی گری شقی کے سرِ پُر عتاب پر
بد ہاتھ میں شکست، ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

کچھ دست[۱۳۸] پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار ۱۷۰ پنجے سے پُر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغِ آبدار یاں سر سے آئی پشت کے فقروں[۱۳۹] (ل-۱۰) پہ ذوالفقار
قرباں تیغِ تیزِ شہِ نامدار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو رہوار کے

پھر دوسرے پہ گرز اُٹھا کر پکارے شاہ ۱۷۱ کیوں ضربِ ذوالفقار پہ تُو نے بھی کی نگاہ
سرشار تھا شرابِ تکبر سے رُو سیاہ جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
غُل تھا اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

آتا تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا ۱۷۲ ثابت ہُوا کہ شیرِ گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغِ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا
پیوندِ صدرِ زین جدو فرق ہو گیا
گھوڑا زمین میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر ۱۷۳ شیروں سے دشت، گرگ سے بن، اژدروں سے در
شاہیں[۱۴۰] و کبک، چھپ گئے اک جا ملا کے سر اُڑ کر گرے جزیروں میں دریا کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کے

آئی صدائے غیب کہ شبیرؑ مرحبا ۱۷۴ اس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مرحبا
یہ آبرو یہ جنگ یہ توقیر مرحبا دکھلادی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

بس اب نہ کر وغا کی ہوس اے حسینؑ بس ۱۷۵ دم لے ہوا میں چند نفس اے حسینؑ بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسینؑ بس وقتِ نمازِ عصر ہے، بس، اے حسینؑ بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں اژدحام میں
اب اہتمام چاہیے اُمّت کے کام میں

لبیکؑ کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں ۱۷۶ پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں پھر کھل گئے پرے کے پھریرے نشان میں
بیکس حسینؑ ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمہارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر ۱۷۷ چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں، سینے کے پار تیر پڑتے تھے دس، جو کھینچتے تھے، تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ، ظلِ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر ۱۷۸ ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل اٹھے تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر یہ دکھ نبی کے گود کے پالے حسینؑ پر
تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے ۱۷۹ فرزندِ فاطمہؑ کی یہ توقیر ہائے ہائے
بھالے وہ اور وہ پہلوئے شبیرؑ ہائے ہائے وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
غصّے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسینؑ پہ ترکش بھرے ہوئے

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ ۱۸۰ اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمے سے زرد ہو گیا، سبطِ نبیؐ کا رنگ ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

لکھا ہے تین بھال کا تھا ناوکِ ستم ۱۸۱ منہ کھل گیا، اُلٹ گئی گردن، رُکا جو دم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بچشمِ نم بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
اُبلا جو خوں نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
چلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

دشمن تھا شہ کا اعور سلمی عدوے دیں ۱۸۲ سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
ماری جگر پہ ابنِ[۱۴۳] انس نے سنانِ کیں بھالا گڑو کے کوکھ میں، برچھی کو اک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرا گئی ضریح رسالتؐ پناہ کی

گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے ہے غضب ۱۸۳ نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب غش میں جھکے، عمامہ گرا سر سے، ہے غضب
قرآں رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

جنگل سے آئی فاطمۂ زہرا کی یہ صدا ۱۸۴ اُمّت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمّدا[۱۴۴]
اس وقت کون حقِ محبت کرے ادا ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا[۱۴۵]
اُنیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینبؑ نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

پردہ اُلٹ کے، بنتِ علیؑ نکلی ننگے سر ۱۸۵ لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرقِ خونِ جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر اے کربلا بتا، ترا مہمان ہے کدھر
امّاں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہونچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ ۱۸۶ لوگو! خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
سید کدھر تڑپتا ہے، اماں کدھر ہیں آہ؟ کس سمت ہے نبیؐ کے نواسے کی قتل گاہ؟
شعلے دل و جگر سے، نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ ۱۸۷ بس اب سفر قریب ہے، لِلّٰہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے، آلِ رسولؐ خدا کی ناؤ یا مرتضیٰؑ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
اب چھوڑیو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہؑ چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

بنتِ علیؑ تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر ۱۸۸ کٹتا تھا نورِ چشمِ علیؑ کا گلا ادھر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر لیکن وہ دوڑی جاتی تھی تھامے ہوئے جگر
پہونچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار ۱۸۹ سیّد تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار چھوڑے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار
صدقے گئی لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی یادِ الٰہ میں

بھیّا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو ۱۹۰ چلّا رہی ہے دخترِ حیدرؑ جواب دو
سوکھی زبان سے، بہرِ پیمبرؐ جواب دو کیونکر جیے گی زینبؑ مضطر جواب دو
جُز مرگ، دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

بھیّا میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں، کیا کروں ۱۹۱ کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں، کیا کروں؟
کس کی دُہائی دوں کسے چلّاؤں، کیا کروں؟ بستی پرائی ہے، میں کدھر جاؤں کیا کروں؟
دنیا تمام اُجڑ گئی، ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں؟ کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

ہے ہے تمہارے آگے نہ خواہر گذر گئی ۱۹۲ بھیّا بتاؤ، کیا نہ خنجر گذر گئی؟
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گذر گئی صدشکر، جو گذر گئی، بہتر گذر گئی
سر کٹ گیا، ہمیں تو اَلم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی، اب فوجِ نابکار ۱۹۳ کہیو نہ کچھ زباں سے، بجز شکرِ کردگار
خیمہ میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار
بے زار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیس ضعف سے لرزاں ہے بند بند ۱۹۴ عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند عالم پسند بند ہیں، سلطان پسند بند
یہ فصل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے